سرکاری مناصب اور ذرائع کا استعمال

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر○

اسلام کی تعلیمات ابدی اور لافانی ہیں۔ اسلام زمان و مکان کی حدود قیود سے بالا تر ہونے کی وجہ سے ہر دور کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے۔ ہر شعبۂ حیات کے لیے قرآن وسیرتِ نبویؐ میں بنیادی رہنما اصول موجود ہیں۔ ان اصولوں کا ہر معاشرے میں اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ ریاست، سیاست اور قیادت کے لیے بھی یہاں ایسے بنیادی اصول موجود ہیں جو ہر دور کے معاشرے کی ناگزیر ضرورت ہیں۔ اس لیے اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں 'سرکاری ملازمین' (Public Servants) کے پیشہ وارانہ فرائض و ذمہ داریوں کے حوالے سے بہت سی اہم اور بنیادی ہدایات موجود ہیں۔

دستور زمانہ یہ ہے کہ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں یہ ایک 'امانت' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نہایت اہم اور بنیادی فرق ہے جو ذمہ داریوں کی نوعیت اور عہدے دار کی حیثیت کو واضح کر دیتا ہے۔ اس ذمہ داری کی بجا آوری کے ہر پہلو کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور 'منصب دار' کو 'خدمت گار' کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ یہ خدمت گار اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہر لمحہ لرزاں وترساں رہتا ہے کہ کہیں کوتاہی ہوگئی تو خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ یہی وہ تصور تھا جس کی وجہ سے اکابرین امت کسی ذمہ داری کو قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔

○ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

اہلیت کا معیار

نبی کریمؐ نے واضح ہدایات ارشاد فرمائیں کہ عہدے یا منصب کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ آپؐ کا واضح ارشاد ہے: ''اللہ کی قسم! ہم اس عمل پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے، جو اس کا مطالبہ کرے اور جو اس کی تمنا کرے'' (بخاری، ۷۱۴۹)۔ اس حدیث مبارکہ نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ جب عہدے مطالبات اور لالچ کی بنیاد پر مانگے جائیں گے تو معاشرے میں بے اعتدالی اور افسران میں لوٹ مار کا رجحان زور پکڑے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عہدہ امانت ہے اور (اس کا حق ادا نہ ہوسکا) تو قیامت کے دن یہ رُسوائی اور ندامت کا سبب بنے گا (بخاری ۱۸۲۵)۔ آپؐ اُمت میں ان عہدوں کے طلب کی حرص کا پیدا ہونا بھی نگاہِ نبوت سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور اس کو یوں بیان بھی کر دیا: ''عنقریب تم امارت کے لیے حرص و کوشش کرو گے''۔

قوم جن لوگوں کو منصب ان کی اہلیت و صلاحیت دیکھ کر دے اور وہ اس کے لیے تگ و دو کریں، تو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایات اس منصب کے تقاضوں کو ادا کرنے کے لیے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ (بخاری ۷۱۴۶)

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صاحب منصب کے لیے جو لفظ استعمال فرمایا وہ 'راعی' کا ہے۔ راعی (نگہبان) اپنے ریوڑ کو خود بھی نقصان نہیں پہنچاتا اور دوسرے کو بھی روکتا ہے اور اس کی نظر اپنے ہر جانور پر ہوتی ہے۔ راعی اپنے ریوڑ سے اس درجہ پیار کرتا ہے کہ ریوڑ کا ہر جانور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ 'راعی' کے اس اعلیٰ درجے کے تعلق سے رعیت بھی راعی کے اشارۂ ابرو پر جان وارنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے، بشرطیکہ افسر 'راعی' کے روپ میں ہو 'بیوروکریٹ' کی شکل میں نہ ہو۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ یہ ہیں: ''آگاہ رہو تم سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے متعلق جواب دہ ہو''۔ (بخاری ۱۸۲۷)

ذمہ داریوں کی نوعیت کے اعتبار سے سرکاری ملازم 'راعی' کی طرح ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ اسلام اور پاکستان کا نمایندہ ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہونا ہے کہ وہ فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک اچھے مسلمان اور محب وطن پاکستانی کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہو۔ اپنی اس حیثیت کو صرف پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں ہی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اس

کی زندگی کے ہر میدان میں اس حیثیت کا عکس نظر آئے۔

شریعتِ اسلامیہ میں اہلیت وصلاحیت کے حامل اور حرص وطمع سے بچنے والے لوگوں کو عہدہ ومنصب کی امانت سونپی گئی ہے کہ مقاصد شریعت کی محافظت ہوتا کہ معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔ مقاصد شریعت درج ذیل ہیں:

۱- تحفظ دین: یعنی دین الٰہی کو ہر جہت سے نافذ کیا جاسکے اور اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہر شعبے میں قائم رہے۔

۲- تحفظِ جان: لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ قصاص ودیت کے قرآنی احکامات اسی مقصد کے لیے ہیں۔

۳- تحفظِ عقل: عقل کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کیونکہ انسان اور جانوروں میں تمیز کرنے والی یہی قوت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شراب نوشی اور منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۴- تحفظِ نسل: خاندان کے ادارے کی بقا کے لیے بدکاری پر پابندی لگائی گئی اور نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔

۵- تحفظِ مال: مال کسی فرد کا ہو یا اجتماعی ادارہ وحکومت کا اس کا تحفظ لازم وضروری ہے۔ قطع ید جیسی سزاؤں کا یہی مقصد ہے۔

۶- تحفظِ عدل: قیام عدل شریعت کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سے ہے۔ اگر عدل ہوگا تو دیگر مقاصد شریعت کی حفاظت ہو سکے گی۔

کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں مختلف محکمے، منصب اور عہدوں کے بنیادی واساسی مقاصد درج بالا ہیں۔ چونکہ یہ مقاصد بذات خود بہت اعلیٰ ہیں اس لیے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کا تقرر ان مناصب پر کیا جانا چاہیے۔

سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے رہنما اصول

قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ سے سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے بنیادی رہنما اصول سامنے آتے ہیں۔ اس معاملے میں اس آیت قرآنی کو ایک بنیادی اور اصولی حیثیت حاصل ہے: ''بے شک

اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت والوں (ان کے اہل) کو ادا کرو‘۔ (النساء ۴:۵۸)

● علم اور اہلیت: اسلام میں علم کے حصول پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ گمان گزرتا ہے کہ اسلام اور علم ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ امام غزالی کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سعادت کی بنیاد علم ہی ہے۔ افسران اپنے علم سے معاشرے کے لیے راہ سعادت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ لہٰذا، اس طبقے کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے مصالح و مفاسد کا علم رکھتا ہو۔ ایسا علم کہ جس سے وہ خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔

ایک قوی سربراہ ادارہ وہ ہے جو اپنے فرائض منصبی سے خوب واقف ہو۔ دفتری کام کے مقاصد سے باخبر ہو، ترتیب کار اور پروگرام بنانے میں ماہر ہو اور اس میں ایجاد و اختراع کی قابلیت ہو، نیز کام کو منظم کرنے کی مہارت رکھتا ہو۔ اس کے ذہن میں غایت کار واضح ہو اور اپنی تمام صلاحیتوں کو مقصد تک پہنچنے کے لیے استعمال میں لائے۔ وہ لوگ جو کسی کو کوئی ذمہ داری سپرد کرتے ہوئے صرف اس کی امانت اور بلند کردار پر قناعت کر لیتے ہیں وہ بھی اسی غلط فہمی میں ہیں جیسے کہ وہ لوگ جو ان چیزوں کو نظرانداز کر کے محض کسی کی مہارت خصوصی دیکھ کر اس پر بھروسا کر لیتے ہیں۔ خائن اور بددیانت ماہرین خصوصی ویسا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جیسا کہ نااہل اور ناواقفان کار ایمان دار لوگ۔ سربراہ ادارہ خائن ہو اور صالح کردار لوگوں کو ذمہ داریوں سے محروم رکھا جائے، تو نتیجہ دونوں حالتوں میں ایک ہوگا۔

● امانت و دیانت: نبی کریمؐ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں‘‘۔ (کنز العمال ۵۵۰۰)

آپؐ نے فرمایا: ’’جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں، جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے! کسی بندے کا اس وقت تک دین درست نہ ہوگا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو، اور اس کی زبان درست نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو۔ جو کوئی ناجائز ذرائع سے مال کمائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے برکت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس میں سے خیرات کرے تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ جو اس میں سے بچ جائے گا وہ اس کے جہنم کی طرف سفر کا توشہ ہوگا‘‘۔ (کنز العمال ۵۵۰۳)

آپؐ نے فرمایا: ''قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا''۔(ایضاً، ۵۴۰۲)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی''۔(ایضاً، ۵۴۰۴)

نبی کریمؐ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔(بخاری ۳۳)

نبی کریمؐ نے فرمایا: ''اگر کسی سے ساری دنیا کی چیزیں چھن جائیں اور اس کے پاس امانت کا وصف باقی رہ جائے تو اسے کسی چیز کا تأسف نہیں''۔ آپؐ نے فرمایا ''مومن میں ہر بری عادت ہوسکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ اس میں نہیں آسکتا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں شہید کیا جانا تمام گناہوں کا کفارہ ہے لیکن امانت کا کفارہ نہیں۔ ایک بندے کو قیامت کے روز لایا جائے گا جو شہید ہوا ہوگا اور کہا جائے گا کہ تم امانت (جس میں اس نے خیانت کی ہوگی) ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ! اب میں اسے کس طرح لاؤں، اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے۔ کہا جائے گا کہ اسے جہنم کے طبقہ 'ہاویہ' میں لے جاؤ۔ وہاں امانت والی چیز مثال بن کر اصل حالت میں اس کے سامنے آئے گی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے گا یہاں تک کہ اسے پکڑ لے گا۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر لاد کر چلے گا۔ لیکن جب وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا۔ پھر وہ اس کے پیچھے ہمیشہ بھاگتا چلا جائے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے وضو، نماز، ناپ تول اور دیگر بہت سی چیزیں گن کر فرمایا: ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے''۔(بیہقی، شعب الایمان، ۵۲۶۲)

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے امانت کی اہمیت کو بیان فرمایا: ''اللہ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیا کو نکال لیتا ہے۔ جب حیا اس سے نکل جاتی ہے تو ہمیشہ اس پر اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔ جب اس پر اللہ کا غصہ رہتا ہے تو اس کے دل سے امانت نکل جاتی ہے، تُو پھر اُسے ہمیشہ چور اور خائن پاتا ہے۔ جب اسے تُو چور اور خائن پاتا ہے تو اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے۔ جب اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے تو اسے ہمیشہ مردود وملعون پائے گا۔ جب وہ

ہر وقت مردود و ملعون ہو جاتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکل گئی‘‘۔(ابن ماجہ، ۴۰۵۴)

نبی کریمؐ نے امانت کی پاس داری اور محافظت کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بد دیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(الانفال ۸:۲۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا○ (النساء ۴:۱۰۵) تم بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ○(الانفال ۸:۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی کریمؐ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوۂ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپؐ جن باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک خیانت ہے۔ آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے: ’’اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بُرا اندرونی ساتھی ہے‘‘۔(ابو داؤد، ۱۵۴۷)

آپؐ نے فرمایا: ’’سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو اس کے بعد آئے گا، پھر اس کے بعد آنے والا زمانہ۔ اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ بن بلائے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے، امانت داری نہیں کریں گے، نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے‘‘۔ (بخاری ۳۴۵۰)۔ آپؐ نے فرمایا کہ بد دیانتی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: ’’جب امانت ضائع کر دی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو‘‘۔(بخاری ۵۹)

سرکاری ملازمین کے اخلاقی اوصاف

اسلامی معاشرے کا ہر فرد خواہ اس کے پاس کوئی عہدہ و منصب ہو یا نہ ہو، اس میں درج ذیل بنیادی اوصاف ضرور ہونے چاہییں اور صاحبِ منصب میں تو کمال درجے پر ہونے چاہییں:

● تقویٰ: قرآن کریم نے کم و بیش ہر شعبۂ حیات سے متعلقہ احکامات کے ساتھ تقویٰ کی قید ضرور لگائی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا دارو مدار تقویٰ پر ہے۔ قرآن کریم نے

اخلاق و سیرت کے ہر گوشے کی تکمیل اس لفظ سے کی ہے۔ قرآن یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہر خیر و خوبی کی طرف مسلسل قدم اٹھانے کی قوت دینے والا تقویٰ ہے۔ چونکہ ساری تگ و دو کا مرکز و محور یہ ہے اس لیے اسے 'لباس' سے تعبیر کر دیا۔ ہم 'اللہ سے ڈرنا' اور 'خدا خوفی' جیسے لفظوں سے اس کا ترجمہ کر کے اس لفظ کی وسعتوں کو محدود کر دیتے ہیں۔ درحقیقت تقویٰ ہر اس کام سے بچنے کا نام ہے جس سے خدا کی ناراضی کا خوف ہو۔ ملازمین کے لیے ہزاروں قوانین بنا لیں اور نگرانی کے سیکڑوں طریقے دریافت کرلیں یا کیمرے نصب کر دیں، کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا جب تک دل تقویٰ کی نعمت سے مالا مال نہیں ہوجاتا۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے عمل و کردار کی اساس و بنیاد، محرک و سرچشمہ اور روح و جان تقویٰ ہے۔ ملازم جب تک صاحب تقویٰ نہیں ہوگا فرائض کی انجام دہی بہتر طور پر نہ ہو سکے گی۔ خاص طور پر افسران کے حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ قابلِ توجہ ہے:

آپ اکثر دعا کرتے وقت روتے تھے۔ اہلیہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: جب میں اپنے بارے میں غور کرتا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں اور بے کس، غریب، محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ اس بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسولؐ اللہ کے سامنے کوئی دلیل پیش نہ کرسکوں گا، تو مجھے خوف لاحق ہوجاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں۔ اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوف زدہ ہوتا جاتا ہے'۔ (عبدالرشید عراقی، سیرت عمربن عبدالعزیز، ص ۱۲۷)

یہ ہے تقویٰ سے احساس ذمہ داری کے شعور کی بیداری اور اس کو بہترین طرز پر کرنے کے جذبے کا پیدا ہونا۔ جب یہ قوی جذبہ پیدا ہوجاتا ہے تو حکومت جسم پر نہیں دلوں پر ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ میں کتنی ہی نامور شخصیات ہیں جو بظاہر کوئی عہدہ نہیں رکھتی تھیں مگر آج بھی ان کے تقویٰ کی وجہ سے دلوں میں احترام موجود ہے۔ ایک ایسے ہی 'حکمران' کو دیکھ کر ہارون الرشید کی ایک کنیز نے بادشاہ سے کہا تھا کہ اصل بادشاہی تو عبداللہ بن مبارک کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر قائم ہے، آپ کی نہیں جو زور و جبر سے قائم ہے۔

اسلامی معاشرے کے افراد، خواہ سرکاری عہدے دار ہوں یا عام شہری ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حیاتِ نبویؐ کے ماہ وسال اور لیل ونہار بطور نمونہ سامنے رکھنے ہوں گے۔ نبی کریمؐ کے ارشادات اور آپؐ کی سیرت کے نقوش یہ سب حیات مسلم کے لیے دائمی رہنما اصول ہیں اور ایک مسلمان ان رہنما نقوش سے ہٹ کر کسی مغربی طرزِ حیات سے رہنمائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ صحابہ کرامؓ اور مثالی اسلامی ادوار میں رہنمائی کے یہی بنیادی اصول مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے ہیں۔ تہذیب اور تمدن کی بنیادیں بھی انھی اصولوں پر استوار کی جائیں گی۔ کسی بھی صورت میں ان سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔

● **ماتحتوں پر شفقت و مہربانی:** افسر (Public Servant) اور ماتحتوں میں رشتہ ایک جسم کے اعضا کی طرح ہے۔ جسم کے تمام اعضا ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں جس سے بدن کا سارا نظام چلتا ہے۔ ہمارے ہاں نظام کو چلانے کے لیے شفقت ومحبت اور مہربانی ونرمی کے بجاے سختی، درشتی وتندخوئی کو معیارِ افسری سمجھا جاتا ہے مگر قرآن کریم سیرت رسولؐ اللہ کا جو نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور اعلیٰ قیادت کا جو وصف ہمارے لیے تجویز کرتا ہے وہ رفق ونرمی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ (اٰلِ عمرٰن ۳:۱۵۹) (اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تُند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ اِن کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دُعاے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری اُمت میں سے اگر کسی فرد کو اُمت کی کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے اُمت پر سختی کی تو تُو بھی اس پر سختی کر اور اگر اس نے نرمی کی تو تُو بھی نرمی کر۔

کسی کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور سختی کا رویہ اپنانا آسان ہے لیکن آسانی ونرمی کی راہیں نکالنا مشکل ہے۔ آپؐ نے اسی لیے ایسے آدمی سے جو سخت گیر ہو بچنے کی ہدایت کی ہے۔ آپؐ نے

فرمایا: ''بے شک حطمہ بدترین حاکم ہے، لہٰذا تم ایسے لوگوں میں شمار ہونے سے بچو''۔(مسلم، ۸۴۰)

'حطمہ' سے مراد ایسا شخص ہے جو انتظامی امور کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اور اس کی خاصیت ایسی ہو کہ وہ ظالم، خود غرض اور لوگوں کو اپنے ظلم سے تباہ کرنے والا ہو۔ اس حوالے سے حضرت عمرؓ کے ایک خط کے یہ الفاظ بھی قابلِ توجہ ہیں: ''اے عمال (گورنر) رعیت پر تمھارے اور رعیت کے تم پر حقوق ہیں۔ خدا بردبار حاکم کو بہت پسند کرتا ہے اور کوئی نفع اس نفع کے برابر ہمہ گیر اور عام نہیں ہوتا جو بردبار اور مہربان حاکم سے رعیت کو پہنچے۔(خورشید احمد فارق، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط،ص ۲۰۷)

● عزت نفس کا محافظ: سرکاری ملازم عامۃ الناس، ماتحت اور اپنے افسران کی عزتِ نفس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے یہ وہ دولت ہے جس کی عزت و حرمت کعبہ کے تقدس سے بھی بڑھ کر ہے۔(ابن ماجہ، ۳۹۳۲)

ہمارے دفاتر میں استہزا، غیبت، حسد، بُرے القاب، بدظنی، تجسس جیسے مہلک ہتھیاروں کا راج ہوتا ہے جن سے عامۃ الناس، ماتحت اور افسرانِ بالا کی عزتِ نفس کو مجروح کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ معاشرے اور دفاتر میں موجود منفی رویے ہیں جو پُرامن ماحول کو ہی تہ و بالا نہیں کرتے بلکہ دفاتر اور معاشرے کو آگے بڑھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے بھی روکتے ہیں۔ قرآن وسنت کا مطالعہ کریں تو وہاں اُن قدروں کی تحسین وحوصلہ افزائی کی گئی ہے جو دفاتر اور معاشرے کی کارکردگی میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ حسد سے منع کیا گیا ہے مگر رشک کو اچھا سمجھا گیا۔ حسد میں دوسروں سے نعمت کے چھن جانے کا تصور ہے اور رشک میں دوسروں کے پاس موجود نعمت پر اظہارِ مسرت کے ساتھ اپنے لیے اس نعمت کے پانے کی تمنا ہے۔ تجسس اسلام کی نظر میں مذموم ہے، جب کہ رشک محمود ہے۔ تجسس میں دوسروں کے راز اور عیب ٹٹولنا اور دوسروں کے نقائص اور کوتاہیاں تلاش کرنا ہے، جب کہ رشک کا جذبہ انسان کو سرچشمۂ خیر ثابت کرنے کی تگ و دو سے عبارت ہے۔ یہی چیز معاشرہ اور دفتر کی ترقی کا سبب بنتی ہے۔

قصہ مختصر، اسلام معاشرے کے تمام اجزا کو ایسی مادی اور روحانی ترقی کی طرف دھکیلتا ہے جس میں دوسروں کے احساسات وجذبات تک کو قابلِ احترام سمجھا جائے۔ معاشرہ اور دفاتر جو ترقی

اعلیٰ روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو چھوڑ کر کرتے ہیں وہ پانی کا بلبلہ ہوتی ہے۔ چند احادیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

- بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کی ٹوہ لگانے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ۔ حسد اور بُغض سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔(بخاری ۶۰۶۶)
- افسر (حاکم) جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی بُرائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے تو انھیں بگاڑ دیتا ہے۔(ابوداؤد، ۴۸۸۹)
- اے وہ لوگو! جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کرو۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمھاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے خاندان میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔(ابوداؤد، ۴۸۸۰)
- جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی۔ اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اس جیسی جہنم کی پوشاک پہنائی جائے گی۔(ابوداؤد، ۴۸۸۱)

نبی کریمؐ کے ارشادات نے احترام آدمیت و انسانیت کا پیغام دیا ہے جس سے نفسیاتی الجھنیں ختم ہوتی ہیں۔ نفرت وحقارت کے دھارے تھم جاتے ہیں۔ فساد کے جراثیم اور افتراق کی قوتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ افسران بالا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کی عزت نفس کے محافظ بنیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں۔

● **مشاورت**: عربی میں شرت العسل کا معنی چھتے سے شہد نکالنا کے ہیں۔ اسلامی معاشرت، دفتری ہو یا وسیع سطح پر ریاستی، اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورہ اور غوروفکر کے بعد نتائج تک پہنچتی ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی رنگ برنگے پھولوں سے رس نچوڑ کر ایک نفع آور اور صحت افزا رس تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح سرکاری ملازمین کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ عامۃ الناس کے لیے مفید اور نفع بخش ہو گا۔ قرآن کریم نے شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (اٰلِ عمرٰن ۳:۱۵۸) کہہ کر

اسوۂ حسنہ کو بھی بیان کیا ہے اور وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲:۳۸) کے ذریعے مسلم سوسائٹی کے ذوق ومزاج کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ صحابہ کا طرزِعمل بھی مشاورت ہی رہا۔ اس کے درج ذیل اہم فائدے ہیں: ۱- مشاورت سے فیصلہ کمالِ عقل کا مظہر ہوتا ہے۔ ۲- یہ درحقیقت دیگر ہم کار افراد کی حوصلہ افزائی اور ان کی استعداد کو جلا بخشنے کا ذریعہ ہے۔ ۳- مشاورت سے کیے گئے فیصلے میں نقصان کم ہوتا ہے اور اگر ہو بھی تو سب اہل مشورہ اس نقصان کے ازالے کی اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔ ۴- مشورہ باہم حسد کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کس سے مشورہ کیا جائے؟ قرطبی (م ۶۶۸ھ) نے جو لکھا وہ آج بھی رہنمائی کے لیے کافی ہے: ''حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علما سے، جنگی اُمور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سردارانِ قبائل سے، اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقل مند وزرا اور تجربہ کار عہدے داروں سے مشورہ کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن، ۴/۲۵۰) (جاری)

(ب) جن کاموں سے اجتناب کرنا ہے

● مال میں خیانت نہ کرے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ کسی نے مالِ غنیمت کے مال میں سے چوری کی ہے تو اس کا سامان جلا ڈالو اور اسے مارو''۔ راوی نے بتایا کہ اس شخص کے سامان میں ایک مصحف (قرآن مجید کا نسخہ) بھی تھا۔ یہ مصحف بیچ ڈالا گیا اور اس کا ہدیہ اللہ کی راہ میں کسی کو دے دیا گیا۔(ابوداؤد، ۲۷۱۳)

مالِ غنیمت میں سے جو شخص کوئی چیز چراتا ہے اسے غال (خائن) اور اس فعل کو غلول (خیانت) کہا جاتا ہے۔ اس کا جنازہ نبی کریمؐ نے نہیں پڑھا۔ حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک جہنی شخص فوت ہوا۔ نبی کریمؐ کے سامنے اس شخص کی وفات کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اپنے ساتھی کا جنازہ 'تم خود ہی' پڑھو''۔ آپؐ کی بات سن کر لوگوں کے چہرے متغیر ہوگئے۔ یہ دیکھتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ''تمھارے ساتھی نے غنیمت کے مال میں سے کوئی چیز چرائی تھی''۔(ابوداؤد، ۲۷۱۰، ۲۷۱۱)

امام احمدؒ نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپؐ کا یہ فرمانا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور خود نہیں پڑھا، کہ امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غال کی نمازِ جنازہ پڑھے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگ جنازہ پڑھیں گے(ابن قدامہ، المغنی، ۳/ ۵۰۴)۔ یہ درحقیقت بددیانتی کے جرم کی شدت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

● عاملینِ زکوٰۃ ظالمانہ رویہ اختیار نہ کریں: مالیاتی شعبے، میں ایک اور شعبہ جس میں عام طور پر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہے وہ محصول جمع کرنے والوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ ہے۔ یہ لوگوں سے محصول اور زکوٰۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو صاحب مکس کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو متعینہ شرح سے زیادہ از راہِ زیادتی وصول کرتا ہے(ایضاً)۔ ان لوگوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس وصول کرتے وقت اپنی ذاتی جیب کے لیے لوگوں سے زیادہ رقم کا

مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ٹیکس دہندہ ان کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے، اسے کسی نہ کسی طرح چھوٹ اور رعایت مل جاتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتے، ان کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ آج کے دور میں ان لوگوں کے طرزِ عمل کو سمجھنے میں کوئی وقت محسوس نہیں ہوگی۔ نبی کریمؐ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔(مسند دارمی، باب ۲۸)۔ آپؐ نے فرمایا: ''صاحب مکس کو آگ میں ڈالا جائے گا''۔(مسند احمد، ۱۰۰۸/۴)

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے قبول ہوتی ہے سوائے جادوکرنے والے اور زیادتی سے ٹیکس وصول کرنے والے کی۔(ایضاً)

اس موضوع پر کئی روایات موجود ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ اس کی دعا کے مطابق اسے عطا کیا جائے۔ ہے کوئی تکلیف میں مبتلا کہ اس کو تکلیف سے نجات دی جائے۔ اس طرح کوئی ایسا مسلمان نہیں بچتا کہ اس کی دعا کو قبولیت حاصل نہ ہو سوائے زانیہ عورت یا زیادتی سے محاصل وصول کرنے والے شخص کے کہ ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔(الترغیب والترہیب، ۲/۸۷)

حضرت ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''تمھارے اوپر ایسے حکمران اور عمال مقرر ہوں گے کہ ان کے اردگرد شریر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نمازوں کو مؤخر کر دیں گے۔تم میں سے جو کوئی ان کے زمانے میں موجود ہو تو نہ ان کا عریف (لوگوں کے حالات حکومت تک پہنچانے والا) بنے، نہ ان کا صاحب الشرطہ(سپاہی) بنے اور نہ ان کا محاصل وصول کرنے والے محصلین بنے اور نہ ان کا خازن بنے''۔(ایضاً)

ان احادیث میں جن لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوٰۃ، عشر یا کوئی اور

ٹیکس وصول کرتے وقت لوگوں کو ناجائز طور پر چھوٹ دینے کے لیے ان سے رشوت وصول کرتے ہیں اور جو لوگ رشوت نہیں دیتے، ان سے اصل سے زائد ٹیکس وصول کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے بہترین مال وصول نہ کریں۔ لیکن یہ لوگ آپؐ کی اس تلقین کی پروا نہ کرتے ہوئے ازراہِ ظلم ان کے بہترین مال وصول کرنے لگتے ہیں۔

● 'عریف' غلط بیانی نہ کرے: اسی طرح کا ایک منصب جس سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم و زیادتی کا باعث بن جاتا ہے عریف کہلاتا ہے۔ عریف ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو حاکم کی طرف سے رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت اپنی قوم کے مختلف افراد کا رویہ اور کردار رپورٹ کی صورت میں حاکم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ زیادہ گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے رشوت وصول کریں گے اور رشوت لے کر لوگوں کی غلط سلط رپورٹیں حکمران تک پہنچائیں گے۔ اس لیے اس طبقے کے بارے میں بھی آپ نے بڑا تنبیہی انداز اختیار فرمایا۔ نبی کریمؐ نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا: ''اے مقدام! تو نے نجات پائی، اگر تو اس حال میں فوت ہوا کہ تو نہ لوگوں کا امیر ہوا، نہ منشی اور نہ عریف''۔ (ابوداؤد، ۲۹۳۳)

کسی نے نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ ''اسے اس کے باپ کے بعد جو کہ اب بوڑھا ہو چکا ہے، ایک چشمے کا عریف بنا دیا جائے''۔ آپؐ نے فرمایا: ''عرافت بے شک ایک ضروری منصب ہے، اس کے بغیر گزارا نہیں مگر اکثر عریف جہنم میں جائیں گے''۔ (ابوداؤد، ۲۹۳۴)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے، رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''جہنم میں ایک پتھر ہے جسے 'ویل' کہا جاتا ہے۔ عرفاء کو اس پر چڑھایا جائے گا اور پھر نیچے پھینکا جائے گا''۔ (الترغیب والترہیب ۲/۸۸)

مسند ابویعلی میں روایت ہے کہ نبی کریمؐ ایک جنازے کے پاس سے گزرے آپؐ نے فرمایا: اس جنازے والے کے لیے خوشخبری ہے بشرطیکہ یہ 'عریف' نہ ہو۔ (ایضاً)

رشوت اور اس کے بارے میں وعید

مالی بدعنوانیوں کی ایک شکل رشوت بھی ہے۔ رشوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو، اس کا معاوضہ وصول کیا جائے۔ ایک کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہو اور اسے اس کام کی انجام دہی پر سرکاری طور پر معاوضہ ملتا ہو، ایسا کام کرنے پر وہ صاحبِ ضرورت سے کوئی معاوضہ وصول کرے۔ (مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۳/۱۵۱-۱۵۲)

قرآن مجید میں رشوت کے لیے سُحت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ سُحت کے معنی ہلاکت و بربادی کے ہیں۔ رشوت نہ صرف لینے دینے والوں کو اخلاقی اور معاشی طور پر تباہ و برباد کرتی ہے بلکہ ملک وملت کی جڑ اور امن عامہ کی بنیادیں ہلا دیتی ہے۔ جس ملک میں رشوت کی لعنت چل پڑتی ہے وہاں قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے، لوگ رشوت دے کر ہر کام کروا لیتے ہیں۔ حق دار کا حق مارا جاتا ہے اور غیر حق دار مالک بن بیٹھتے ہیں۔ قانون، جو کہ لوگوں کے حقوق کا ضامن ہوتا ہے بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ قانون کی حاکمیت جس معاشرے میں کمزور پڑ جائے وہ معاشرہ زیادہ دیر چل نہیں سکتا، نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال وعزت۔ قرآن مجید نے اسے سُحت کہہ کر 'اشد حرام' قرار دے دیا ہے۔ رشوت کے دروازے بند کرنے کے لیے اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ امراء و حکام کو تحفہ دینا حرام ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۱۸۸) اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔

قرآن مجید نے یہود کے مذہبی اجارہ دار طبقے کی یہ خرابی بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی پسند کے فتوے جاری کر کے ان سے رشوت کھاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کا ذکر یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلاً اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرہ ۲:۱۷۴) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا

ہے، یہ لوگ (یہود) اسے چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعے معمولی معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا۔

نبی کریمؐ کی پالیسی بظاہر بڑی سخت نظر آتی ہے لیکن مالیاتی معاملات میں نظم اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے جب بدعنوانی کا سبب بننے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی مکمل طور پر بند کیا جائے۔ چھوٹی چھوٹی بدعنوانیوں سے اگر درگزر کیا جائے تو یہی غلطیاں پورے معاشی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔ آج کا دور اس کی واضح مثال ہے۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ اُن احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انھیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا، نہ انھیں پاکیزہ ٹھیرائے گا، اور اُن کے لیے دردناک سزا ہے۔

نبی کریمؐ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی۔ (ترمذی ۱۳۳۶)۔ آپؐ نے فرمایا: جس گوشت نے سُحت (حرام) سے پرورش پائی، آگ اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ پوچھا گیا: سُحت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: الرشوۃ فی الحکم، "فیصلے صادر کرنے میں رشوت وصول کرنا"۔ (الجامع لاحکام القرآن، ۳/ ۱۸۳)

اسی طرح کی ایک حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے: ابن خویز منداد نے سُحت کی ایک شکل یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص کا کسی صاحبِ اختیار شخص کے ساتھ کوئی کام اور حاجت ہو لیکن اس کی صاحبِ منصب تک رسائی نہ ہو، جب کہ کسی دوسرے شخص کا اس صاحبِ منصب کے ساتھ تعلق موجود ہو اور وہ سائل کی رسائی متعلقہ افسر تک کروانے کے لیے کوئی معاوضہ طلب کرے۔ (ایضاً)

سُحت اور رشوت کی ایک شکل یہ بھی روایت میں بیان کی گئی ہے کہ کسی صاحبِ منصب شخص کو کوئی چیز دی جائے تاکہ کسی کا حق مار کر خود حاصل کرلیا جائے۔ اگر کوئی شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے تو وہ شخص رشورت لینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور یہ مال اس کے

لیے سُحت ہوگا۔ لیکن اگر رشوت لے کر حق کے خلاف فیصلہ کیا اور غیر حقدار کو حق دے دیا تو یہ جرم کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اس میں رشوت، ظلم، حق تلفی اور اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت وصول کرتا ہے تو اسے اسی وقت معزول کر دیا جائے۔ اگر اسے معزول نہ کیا گیا تو اس فعل کے ارتکاب کے فوراً بعد سے اس کے تمام احکام غیر قانونی سمجھے جائیں گے۔ (ایضاً)

صاحب تفسیر امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ رشوت وصول کرنا فسق ہے اور کسی فاسق کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں (ایضاً)۔ حدیث شریف میں رشوت کے لینے دینے میں واسطہ بننے والے کو بھی اتنا ہی مجرم قرار دیا گیا ہے جتنا رشوت لینے اور دینے والے کو۔ (کنز العمال ۱۴۴۹۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرآنی تعلیمات کو عملی شکل دی۔ آج کے دور میں مالی بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے یہ واقعہ بڑا بنیادی راہنما ثابت ہوسکتا ہے۔

خیبر کے یہودیوں سے نبی کریمؐ نے اس شرط پر مصالحت فرمائی تھی کہ وہ اپنی آدھی زرعی آمدنی مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ آپؐ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو محاصل وصول کرنے کے لیے متعین فرمایا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی عورتوں کے زیورات بیچ کر رقم جمع کی اور صحابی رسول کو پیش کرنا چاہی کہ یہود کا حصہ بڑھا دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا جواب نہ صرف یہود کے لیے بلکہ آج کے دور کے لیے بھی روشنی کا مینار ہے۔ آپؓ نے فرمایا: ''اے یہودیو! اللہ کی قسم تم اللہ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن تمھاری یہ رشوت مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کرسکی۔ تمھاری یہ رشوت حرام ہے۔ ہم مسلمان اسے نہیں کھاتے''۔ یہودیوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ (مؤطا امام مالک، ۱/۵۱۶)

بدعنوانی کی ایک شکل یہ ہے کہ حکمران لوگوں کو سرکاری خزانے سے رشوت کے طور پر مال دیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہو کہ سیاسی یا معاشی مقاصد حاصل کریں۔ اس طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لیے نبی کریمؐ نے ارشادفرمایا: ''اے لوگو! اگر تمھیں کوئی چیز عطا کریں تو لے لیا کرو جب تک کہ وہ عطا ہی رہے یعنی (یہ عطیہ کسی خدمت اور استحقاق کے طور پر ہو اور اس کی شرعی بنیاد موجود ہو) پھر جب قریش اقتدار کی خاطر ایک دوسرے سے لڑیں اور عطائیں قرض کے بدلے میں ملیں تو ان عطیات کو چھوڑ دیں اور قبول نہ کرو''۔(ابوداؤد، ۲۹۵۹)

آپؐ نے فرمایا: ''جب قریش آپس میں حکومت کے لیے لڑنے لگیں اور رشوت کے طور پر لوگوں کو عطیات دیئے جائیں (اور یہ مستحق لوگوں کو نہ دیئے جاتے ہوں) تو یہ عطیات قبول نہ کرو''(ایضاً)۔ آج کے دور میں یہ دونوں طرح کی رشوت موجود ہے ۔سرکاری کارندے قومی خزانے کو اپنی ذاتی دولت سمجھ کرنا جائز طور پر لوگوں کو بھاری رقوم دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ عوام کی بہت بڑی تعداد اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوتی جارہی ہے۔ رشوت نے لوگوں کی اخلاقی حس کو زنگ آلود کر کے ان کے ضمیر کو سلا دیا ہے۔ دوسری طرف عوام میں یہ خیال اب جڑ پکڑ چکا ہے کہ رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا اور رشوت کے ذریعے ہر ناممکن کام ممکن ہوجاتا ہے۔

ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: جو شخص کسی حاکم یا امیر سے کسی کی سفارش کرے اور پھر اس حاکم کو ہدیہ بھیجے اور وہ اس ہدیہ کو قبول کرے تو اس کا یہ فعل ایسا ہے گویا کہ وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔(ابوداؤد، ۳۵۴۱)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اسلام کے معاشی نظام میں انتقالِ دولت کا جواز تین طریقوں سے جائز ہے۔ ان میں وراثت، ہبہ اور محنت وکسب شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عطیات بھی انتقالِ دولت کا ایک ذریعہ ہیں۔لیکن عطیات صرف وہی معتبر ہوتے ہیں جو کسی چیز یا مال کے حقیقی مالک نے شرعی حدود کے اندر کسی کو ہبہ اور عطیہ دیا ہو۔ اگر عطیہ کسی حکومت کی جانب سے ہو تو وہ اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں یا معاشرے کے مفاد کے لیے حکومت املاک میں سے جائز اور معروف طریقے پر دیا گیا ہو۔عطیہ دینے کا حق بی اسی حکومت کو حاصل ہوگا

جو شرعی دستور کے مطابق شوریٰ کے طریقہ کے مطابق چلائی جا رہی ہو اور جس کا محاسبہ کرنے کا حق اور آزادی قوم کو حاصل ہو۔(اسلامی ریاست، ص ۵۱۶)

ملک میں مالی بے قاعدگی بیت المال کو غلط طور پر استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس غلط استعمال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خزانہ غیر مستحق لوگوں کے لیے کھول دیا جائے، اس سے ملکی خزانہ کئی پہلوؤں سے منفی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ ایک تو غیر مستحق لوگ ملکی خزانے پر ناروا بوجھ بن جاتے ہیں۔ خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ حق دار محروم رہ جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو محنت کی بجائے مفت خوری کی عادت پڑ جاتی ہے اور جس ملک کے لوگ محنت سے گریز کرنے لگیں، اس کی معیشت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ اگر بیت المال سے وہ لوگ وظائف اور مستقل امداد لینا شروع کر دیں جو درحقیقت اس کے مستحق نہیں ہوتے تو یہ لوگ حقداروں کا حق مارنے کے مرتکب بھی ہوتے ہیں اور ملکی خزانہ بھی غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح کی صورت پیدا ہو جائے تو باشندوں کی اکثریت بادشاہ پر انحصار کرنے لگتی ہے اور بیت المال پر بوجھ بن جاتی ہے۔ غیر مستحق لوگ کبھی یہ کہہ کر وظیفہ حاصل کرتے ہیں کہ وہ غازی ہیں اور ملک کے سیاسی راہنما ہیں۔ وہ کبھی یہ کہہ کر وظائف حاصل کرتے ہیں کہ وہ درباری شاعر ہیں اور بادشاہوں کی درباری شاعروں پر عنایات ہوا ہی کرتی ہیں۔ وہ یہ وظائف کبھی یہ کہہ کر حاصل کرتے ہیں کہ وہ صوفی اور درویش ہیں اور خلیفہ اس بات کو معیوب سمجھتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے حالت کی تفتیش کرے کہ کیا یہ حقیقت مین ان وظائف کے مستحق ہیں بھی یا نہیں؟......ان کا معاشی انحصار صرف بادشاہوں کی مصاحبت، ان کی خوشامدی، جی حضوری اور ان کی مدح میں چرب زبانی پر ہوتا ہے اور آخر کار یہ ایک ایسا فن بن جاتا ہے کہ ان کے تمام خیالات اور فکریں اس برے فن پر صرف ہونے لگتی ہیں اور وقت کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔(حجۃ اللہ البالغہ)

ملکی خزانے کے غلط استعمال کی ایک شکل سر براہِ مملکت یا سر براہِ حکومت کے مالیاتی اختیارات بھی ہیں۔ ان اختیارات کے تحت سرکاری خزانہ سربراہ کی ذاتی ملکیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ خصوصی طور پر ایسی مدات جن کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا یا جنہیں آج کی اصطلاح میں

(unforeseen) مدات کہا جاتا ہے۔ ان مدات میں سے عموماً سیاسی رشوتوں کا کام لیا جاتا ہے۔ پاکستان کے سیاسی ماحول میں تو اس طرزِ عمل سے عوام بھی آگاہ ہو چکے ہیں کہ سیاسی لوگوں کو ہم نوا بنانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ یہ بات بالکل بجا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی میدان میں کار ہاے نمایاں سرانجام دینے والوں کی حوصلہ ہونی چاہیے تاکہ دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلے میں قرنِ اوّل سے شواہد ملتے ہیں کہ ملک و ملت کے لیے کار ہائے نمایاں سرانجام دینے والوں کی قدرشناسی کی گئی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر مستحق لوگوں اور سرکاری افسران کے چہیتوں کو بھاری انعامات و وظائف سے نوازا جائے اور ہزاروں حق دار اور اہل لوگوں کی کسی کو خبر بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ انعامات ملکی خزانے پر ناروا بوجھ نہ بن جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ انعامات ملک میں غیر عادلانہ تقسیم دولت کی شکل اختیار نہ کرلیں۔ جن لوگوں پر ملی خزانہ خرچ کیا جائے، ان کی خدمات ملکی نظریے کے ساتھ مطابقت بھی رکھتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جن شعبوں کو اللہ اور اس کا رسولؐ حرام قرار دیں، جن کے انسداد کے احکام دیئے گئے ہوں ہم ان شعبوں میں 'خدمات' سرانجام دینے والوں کو انعامات سے نوازیں۔

اس سلسلے میں کچھ عرصہ قبل لاہور ہائی کورٹ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ وزیراعظم پاکستان یا صدرِ مملکت یا کسی اعلیٰ عہدے دار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے کسی کو پلاٹ یا خصوصی انعامات سے نواز سکے گا یا نہیں؟ عدالت نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ کسی بڑے سے بڑے عہدے دار کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ بیت المال میں تصرف کرے اور اپنی پسند کے لوگوں کو انعامات سے نوازے۔ جن لوگوں کو حکومت نے اونے پونے داموں پلاٹ فروخت کیے تھے، انھیں حکم دیا گیا کہ وہ ان پلاٹوں کی حقیقی قیمت ادا کریں۔ عدالت نے سابق وزرائے اعظم اور وزیراعلیٰ کو حکم دیا کہ وہ بیت المال سے رقوم نکلوانے اور سستے داموں پلاٹ فروخت کرنے کی عدالت میں وضاحت کریں۔ عدالت نے قرار دیا کہ پاکستان بیت المال ایکٹ ۱۹۹۱ء کے تحت بیت المال سے تصرف کے حوالے سے وزیراعظم کے پاس کوئی اختیارات نہیں اور پاکستان بیت المال مینجمنٹ بورڈ اس کے فنڈز کو ایکٹ کے مطابق خرچ کرنے کا مجاز ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے فاضل جج نے قرار دیا کہ وزارتِ خزانہ بیت المال سے کوئی بھی رقم

وزیراعظم سیکرٹریٹ کو منتقل نہیں کر سکتی۔ عدالت نے اس بات کی بھی نشاندہی کی کہ مستحق افراد کی شناخت کے لیے کوئی مناسب منصفانہ اور منظم طریقہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی فی کس امداد کے لیے کوئی ضابطہ موجود ہے۔ عدالت کے خیال کے مطابق کسی فردِ واحد کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اپنی مرضی سے بیت المال میں تصرف کرے۔ بدعنوانی کے انسداد کے لیے عدالت نے کہا کہ کسی بھی فرد کے پاس کوئی صواب دیدی مالیاتی اختیارات نہیں ہونے چاہییں۔